© rasailojaraid.com

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 37, Sr.No.104, 2016 pp 69 - 88

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۷، جولائی۔ستمبر ۲۰۱۶ء، شمارہ ۱۰۴

مجید امجد کی شاعری میں موضوعاتی تنوع کا جائزہ:

اعجاز احمد☆

Abstract:

The paper seeks to study the variations present in Majeed Amjad's poetry.Amjad's poetry comprises different colors like rainbow .These colors seem sharp as well as dim. Secluded Amjad has powerful thinking. He is a poet of life. We find a positive view of accepting the changes of life in his poetry. He seems to face the bitterness of life smiling. His poetry bases on thinking and demands the same attitude. Amjad experiments with metrical forms and rhythms. His vocabulary is eclectic. A detail view of his poems will reveal a matrix carefully peppered with a regional register of words. Like other poets, Time is an important factor in his poetry. Amjad's style is not jumbled in symbolism, allusions and abstractions. He has his own distinctive path. Compared to his peers, his poetry has a wide range. It embraces the tribulations of survival in the period between the two World Wars, colonization, partition, urbanization and so on. Although sadness pervades many of his poems, he never lost faith in humanity and life.This article is an attempt to highlight variety of themes which Amjad has used in his poetry.

مجید امجد کی شاعری اپنی متنوع اور گوناگوں خصوصیات کے بہ سبب جدید اردو شعرا (فیض، راشد، میرا جی) میں اپنی انفرادیت کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ان کی بعض نظمیں موضوعات اور اسالیب کے لحاظ سے بیش بہا پیچیدہ محسوس ہوتی ہیں لیکن ایک قابل لحاظ تعداد ایسی ہے جو عام قاری کے لیے بھی تسکین اور لطف اندوزی کا باعث ہے۔مجید امجد نے غزلیں بھی لکھیں لیکن بنیادی طور پر وہ نظم کے شاعر ہیں۔ان نظموں

☆ پی ایچ۔ڈی سکالر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں سماجیات، تاریخ، سائنس، فلسفہ، نفسیات، اور عصری علوم کی جھلک واضح ہے۔ وہ لمحہ موجود کو اہمیت دیتا ہے اور اپنی نظم کی اساس تفکر پر رکھتا ہے۔ اس کی نظم میں ٹھہراؤ کی کیفیت ہمیں زندگی کے پیچ و خم کو سمجھنے کی نوید دیتی ہے۔ جب اس کی نظم کا تاثر قاری پر واضح ہوتا ہے تو ایک سرشاری اور انبساط کی کیفیت اس پر طاری ہوتی ہے جسے وہ کوئی نام نہیں دے پاتا۔ مجید امجد کی شاعری کے محرکات کیا ہیں؟ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

''میں لکھتا ہوں کیونکہ میرے شعری احساس کی حسین و جمیل شورشیں ہی میرے لیے عین حیات ہیں۔ یوں تو ان روز بروز پیچیدہ ہونے والے حیاتیاتی مسائل سے بھری ہوئی دنیا میں ادراک و آگاہی کی منزلیں بے حد کٹھن ہوتی جا رہی ہیں۔ لیکن تمام نظریاتی الجھنوں سے قطع نظر میں نے ان منزلوں کی طرف جانے والے راستوں پر ہمیشہ ایک فکر اندوز حیرت سے قدم بڑھایا ہے۔ ہر مرحلے پر ایسے تصورات جو حقیقت اور مشاہدے کی کڑی دھوپ میں نکھرتے ہیں میرے ذہن کی پنہائیوں سے گذرتے وقت ایک ان بوجھے عمل سے حرف و صورت کا کوئی نہ کوئی ایسا روپ دھار لیتے ہیں جس کی طرف میری فکری صلاحیتوں کو بڑے غور سے جھکنا پڑتا ہے۔''(۱)

مجید امجد کی شاعری کا جائزہ لیں تو موضوعات کا ایک وسیع سلسلہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ ان نظموں کے موضوعات ہماری زندگی سے تعلق رکھتے ہیں اور ہمارے معاشرے کے جیتے جاگتے انسان ہیں۔ ان کی شاعری سے عام آدمی کی زندگی کی تصویر بنتی ہے اور یہ تصویر محدود نہیں تمام حوالوں سمیت واضح ہے۔ وقت کے دائرے میں بند انسان جو محرومیوں اور مصائب سے بھرپور زندگی گذارتے ہیں ان کی شاعری کے خاص موضوع ہیں۔ ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری اپنے مضمون ''مجید امجد اور ہم عصر نظم گو شعرا'' میں لکھتے ہیں:

''مجید امجد کے ہاں موضوعات کی ایک وسیع دنیا آباد ہے۔ ان کے ہاں فطرت کے مظاہر سے دلچسپی کا رنگ بھی ہے، عصری آشوب بھی،، وقت کی جبریت کے باوجود زندگی گذارنے کی لگن بھی، مابعد الطبیعاتی حقائق بھی اور معاشی، معاشرتی اور تہذیبی مسائل بھی۔ ان سب چیزوں کو انہوں نے اپنی نگاہ سے دیکھا ہے۔ وہ بظاہر چھوٹی چھوٹی چیزوں اور فطرت کے مظاہر سے اپنی نظموں کے لیے مواد اخذ کرتے ہیں اور پھر ان کی بنیادوں پر نظمیں تعمیر کرتے چلے جاتے ہیں۔ مجید امجد نے زیادہ تر گرد و پیش کی زندگی کے معمولی واقعات و موضوعات کو اپنی شاعری میں جگہ دی ہے لیکن ان کے ذریعے عموماً وہ کوئی بڑا اخلاقی پیغام دینا چاہتے ہیں اور اکثر اوقات ان کا پیغام بہت اثر انگیز ثابت ہوتا ہے۔''(۲)

مضمون مجید امجد ایک کثیر الجہات شاعر میں لکھتے ہیں:

''مجید امجد کی تخلیقی شخصیت کے حوالے سے مجھے عرفان ذات کا ادعا ہرگز نہیں ہے، تاہم جیسا کہ بیان ہوا، مجھے ان کی شعری کائنات کے سفر معرفت کے دوران میں یہ انکشاف ضرور ہوا کہ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک کثیرالجہات شاعر ہیں۔''(۳)

مجید امجد کی تخلیقی شخصیت، ان کا موضوعاتی تنوع اور کثیرالجہتی کا ثبوت ان کی نظمیں ہیں جو خیالات کے رنگارنگ گلدستوں سے مزین ہیں۔ ان کے افکار میں موجود یہ تغیر اصل میں زندگی میں موجود تغیر کی انمٹ داستان ہے۔ یہ تغیر ان کی نظموں کے پس منظر اور پیش منظر کو اس طرح واضح کرتا ہے کہ کائنات میں موجود ہر رنگ اپنی ہیت سمیت واضح ہو جاتا ہے۔ انسان، شجر، فطرت اور اس سے وابستہ اشیا، سماجی اونچ نیچ اور زندگی سے وابستہ حقائق کا تجزیہ ان کے شعروں میں لہو کی طرح رواں ہے۔ ان تصویروں میں درد بھی ہے اور ماحول کی عکاسی بھی۔ گویا یہ نظمیں ایسے افسانے ہیں جن میں زندگی کا حقیقی فلسفہ موجزن ہے۔ مجید امجد کی شاعری کو ان کے متنوع موضوعات کی بنا پر موجودہ دور میں بہت اہمیت دی جا رہی ہے۔ ان کی شاعری کے چند موضوعات کا مختصر جائزہ درج ذیل ہے:

''شب رفتہ'' کی ابتدا حرف اول کے عنوان سے ایک نظم سے ہوتی ہے۔ اس نظم کا ابتدائی بند ہمیں مجید امجد کے شعری منشور سے آگاہ کرتا ہے اور وقت کے حوالے سے ان کے نظریات کا ترجمان بھی ہے۔ وقت ہزاروں سالوں سے انسانی شعور کو جھنجھوڑ رہا ہے اور انسان اس کے حوالے سے نئے نئے نظریات قائم کرتا رہا ہے۔ شعر و ادب میں بھی وقت اور اس کے حوالے سے پیدا ہونے والے مسائل زیر بحث رہے ہیں۔ وقت کے مباحث کو اردو شعری ادب میں اقبال کے بعد مجید امجد نے مکمل تصور کے ساتھ پیش کیا ہے۔ چنانچہ ان کی نظم ''حرفِ اول'' جو شب رفتہ کا منظوم دیباچہ ہے، کے ابتدائی دو بند ہیں:

کتنی چھنا چھن، ناچتی صدیاں
کتنے گھنا گھن گھومتے عالم
کتنے مراحل۔۔۔
جن کا مآل۔۔ ۔۔۔ اک سانس کی مہلت
سانس کی مہلت ۔۔۔۔۔۔۔۔ عمر گریزاں ۔۔۔۔۔۔۔۔
جس کی لرزتی روشنیوں میں
جھلمل۔۔۔۔ جھلمل۔۔۔۔۔۔۔
جھلکے اک مسحور مسافت!

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:

''امجد کی پوری شاعری پر وقت کا احساس حاوی ہے۔ کبھی کبھی تو یہ خیال آنے لگتا ہے کہ اس کے ہاں خدا کا متبادل وقت ہے۔ وقت اشیا کا تعاقب کرتا رہے گا لیکن وہ اشیا کو کلیتاً بے بود نہ کر سکے گا۔ نہ اشیا اپنے آپ کو امر بنا سکتی ہیں۔ اس لیے اشیا اور وقت کی یہ کشمکش شاید ہمیشہ جاری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہے۔۔۔۔اس کے ہاں کائنات کا چکر گھومتے وقت کے ساتھ رواں ہوتا ہے اور وقت ایک ازلی اور ابدی قوت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو ساری کائنات کو چلا رہا ہے۔''(۴)

مجید امجد کی نظموں ''کنواں'' اور ''امروز'' میں وقت کا تصور اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے۔کنواں زندگی کے لامحدود بہاؤ کی علامت بھی ہے اور زندگی کی علامت بھی، جو ازل سے جاری اور جس کی زد میں زمین و زماں کی تمام وسعتیں ہیں۔وقت اور فطرت کا لامتناہی پن آغاز بھی ہے اور اختتام بھی۔ڈاکٹر اورنگ زیب نیازی نظم ''کنواں'' میں لکھتے ہیں کہ نظم کی پہلی قرات سے نظم کی کہانی یوں مرتب ہوتی ہے:

''کنواں چل رہا ہے کنویں کی گردش ازل تا ابد پیہم جاری ہے۔ظاہر ہے کنویں کی گردش دائروی ہے۔دائرے کا نقطہ آغاز اس کا نقطہ اختتام ہے اور نقطہ اختتام نقطہ آغاز ہے۔لہٰذا دائرہ مکمل ہے تو اس کی ابتدا اور انتہا نامعلوم ہے۔کنویں کا چلنا ایک اندرونی مخفی طاقت کے زیر اثر ہے۔کنویں کو کھینچنے والے بیل طویل اور لامنتہی راستے پر گامزن ہیں۔اس لیے قوت بھی مستقل اور دائمی ہے۔اس میں کمی بیشی ممکن نہیں۔اس لیے کنویں کے تسلسل میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں۔''(۵)

گویا کنواں کی علامت کے ذریعے مجید امجد نے زمانے پر وقت کے تصرف کو ظاہر کیا ہے(۶)۔یوں کنواں وقت اور زندگی کے ساتھ ساتھ تخلیقی خزانے کی علامت بن جاتا ہے۔جس پر سرمایہ دارانہ قوتیں قابض ہیں(۷)۔

''مجید امجد کی نظم امروز بھی وقت کے فلسفہ کی ترجمان ہے۔یہ تصور اس لحاظ سے کلاسیکی ہے کہ اس میں زندگی کو ایک مثبت اور تخلیقی نظر سے دیکھا گیا ہے لیکن کلاسیکی ادوار کی صوفیانہ فکر کے برعکس اس میں آئندہ زندگی کی بجائے موجودہ زندگی کو اہمیت دی گئی ہے۔''(۸)

نظم کی فکر سے واضح ہے کہ وقت کے مسلسل بہاؤ کے ساتھ ہر شے رواں دواں ہے۔زمانے کی بے کراں وسعتوں میں شاعر لمحہ موجود میں زندہ رہنے کا متمنی ہے۔زمانے کے ہنگاموں اور صدیوں کے ہیولوں سے لاتعلق رہتے ہوئے اشکوں اور آہوں سے معمور دو چار صبحوں اور شاموں کو اپنی نظروں کی زد میں رکھنا چاہتا ہے۔ڈاکٹر ضیاالحسن لکھتے ہیں:

''نظم کا پہلا استعارہ ''ابد کا سمندر'' ہے اور وقت کے لامحدود تصور کا تجریدی بیان ہے۔اس تجرید کو شاعر نے سمندر کی مماثلت سے مجسم کیا ہے۔وقت کی لامحدودیت کے لیے سمندر ایک بہترین استعارہ ہے۔کیونکہ اگر کسی نے سمندر نہیں دیکھا تو بھی وہ اس کی وسعت سے ناآشنا نہیں ہے۔اس کے ذریعے ہم سمندر اور وقت کے بیچ موجود ایک مماثلت سے آگاہ ہوتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ جو ہمیں بتاتی ہے کہ ایسی مماثلتیں کائنات کے تمام عناصر کے مابین پائی جاتی ہیں۔'' (۹)

تصور وقت کے حوالے سے مجید امجد کا جو نکتہ نظر سامنے آتا ہے وہ چند روزہ زندگی پر بے بسی کا اظہار ہے لیکن وہ قاری کو ہر پل لطف اندوز ہونے اور نشاط کی کلیاں چننے کی طرف مائل کرتے ہیں تا کہ وقتی اور فانی زندگی میں امید کے دیے روشن رہیں۔ مجید امجد کے ہاں وقت کا عمومی تصور ہے کہ وقت ایک بیکراں سمندر کی مانند ازل سے ابد تک پھیلا ہوا ہے۔ گویا ان کا نظریہ فکری نہیں، حسیاتی ہے۔ وقت کا پیہم سفر انسانی فکر پر جس طرح اثر انداز ہوتا ہے اس کے مہیب اثرات مجید امجد کی شاعری میں رواں دواں ہیں۔ ڈاکٹر زاہد منیر عامر لکھتے ہیں:

> ''......کلام مجید امجد پر غور کرنے سے یہ خوشگوار حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ اس کی شاعری میں زمان کے مباحث فلاسفہ کے کسی ایک طبقہ سے مستعار نہیں ہیں بلکہ اس کے ہاں زمان کے حوالے سے مسلسل ایک ارتقائی سفر پایا جاتا ہے اور حسن اتفاق سے یہ سفر اسی ترتیب اور انہی مراحل سے گذرا ہے جس ترتیب اور جن مرحلوں سے اس کا ظہور تاریخ انسانی میں ہوا۔'' (۱۰)

مجید امجد کی شاعری میں ایک بڑا مسئلہ موت ہے جو ان کی کئی نظموں میں موجود ہے۔ موت کا تصور اردو شاعری میں ابتدا سے ہے اور شاعر اسے بطور عبرت پیش کرتے رہے ہیں۔ بنیادی مقصد انسان کو آئندہ کل کے لیے تیار کرنا تھا اور اس پر دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کا احساس واضح کرنا تھا۔ مجید امجد کی کئی نظموں میں اس مسئلہ کی جھلک ملتی ہے۔ یہ جھلک علامات اور استعارات اور تشبیہات کے ذریعے پیش کی گئی ہے جیسے سوکھا تنہا پتا، پنواڑی، کنواں، امروز، مسلخ مٹی، مورت کی مٹی، راکھ، زنجیر، دراڑ، وقت کی رتھ کے پہیے شریک زندگانی وغیرہ۔ ان نظموں میں زندگی اور موت کے موضوعات ایک خاص تاثر لیے ہوئے ہیں۔ شاعر کا مشاہدہ انفس اور آفاق اسے داخلی اور خارجی واردات و حادثات کے مختلف پہلو دکھاتا ہے۔ اس طرح قلب و ذہن پر مرتسم ہونے والے اثرات کو لفظی پیکروں میں ڈھالتا ہے جو ہمیں حقیقی دنیا میں موجود انسانوں کی بے کسی و بے بسی کی تصویر نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ تصویریں ایک تجربے کے روپ میں سامنے آتی ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو امجد کی شاعری میں موت قطعی غیر جذباتی تجربہ ہے جسے وہ تہذیبی مطالعہ کا ایک رخ دیتا ہے۔

مجید امجد کی نظموں میں موجود موت کا بھرپور تاثر دراصل ایک ایسا احساس ہے جس سے انسانیت ازل سے نبرد آزما ہے۔ اس احساس کو انہوں نے مختلف الفاظ کے ساتھ ادا کیا ہے اور یہ الفاظ دراصل انسانی شکست و ریخت کی سرگذشت ہیں۔ یہ الفاظ واضح کرتے ہیں کہ انسانی زندگی میں موجود تغیر ہی وہ انقلاب ہے جس میں انسان کو ثبات تلاش کرنا ہے۔ یہ اس کی فطرت ہے۔ نظم "ہری بھری فصلو" میں دو گھڑی کا مہمان ''انسان'' موت کو شکست تو نہیں دے سکتا مگر اپنے تجربے کو انسانی شعور میں محفوظ کر کے اجتماعی ورثے کا حصہ بن سکتا ہے۔ (۱۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرنوں کے بجھتے انگار، اک موج ہوا کا دم
صدیوں کے ماتھے کا پسینہ پتیوں پر شبنم
دور زماں کے لاکھوں موڑ، اک شاخ حسین کا خم
زندگیوں کے تپتے جزیرے پر رکھ رکھ کر قدم
ہم تک پہنچی عظمت فطرت، طنطنہ آدم
جھومتے کھیتو، ہستی کی تقدیر و رقص کرو (ہری بھری فصلو)

ہمیں مجید امجد کی شاعری میں زندگی موت کے ہمرکاب رقص کرتی نظر آتی ہے۔ وہ زندہ انسانوں کو زندگی کے پیچ وخم سے نبرد آزما ہوتے ہوئے اس کے مسائل حل کرنے کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ زندگی موت کے تصور میں الجھی ہوئی ہے لیکن اسی سے وہ نیا جہاں پیدا کرنے کی امید رکھتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

ہم نے بھی اپنی نحیف آواز کو شامل شور جہاں کرنا تو ہے
زندگی اک گہری کڑوی لمبی سانس دوست پہلے جی تو لیں مرنا تو ہے
موت کتنی تیرہ و تاریک ہے ہو گی لیکن مجھ کو اس کا غم نہیں
قبر کے اندھے گھڑے کے اس طرف اس طرف باہر اندھیرا کم نہیں (۱۲)

نظم ''پنواڑی'' میں بوڑھے پنواڑی کا خاکہ، اس کی زندگی کی کتھا، چونا گھولتے، چھالیہ کاٹتے، کتھا پگھلاتے گزری، کا ذکر اور اس کے ساتھ ایک سوال کہ " کون اس گتھی کو سلجھائے دنیا ایک پہیلی" انسانی زندگی میں موجود المیہ ڈرامے کی تمثیل ہے۔ پروفیسر امجد علی شاکر لکھتے ہیں:

''اس نظم میں افسانہ اور ڈراما کی بہت سی خصوصیات موجود ہیں۔ ایک افسانے کی سی فضا بندی ہے۔ ڈرامے کا سا چونکانے والا انداز ہے۔ آخری سے پہلے مصرعے میں کٹوری زندگی کی علامت بن کر ابھری ہے۔ یہاں دیپک راگ وقت کی علامت ہے اور پتنگا انسان کی۔ اس ڈرامے میں پنواڑی کے ظاہر اور باطن کو ملا کر اس کا کردار تخلیق کیا گیا ہے۔ اس طرح پنواڑی کے کردار میں ایک معروضیت پیدا ہوگئی ہے۔'' (۱۳)

مجید امجد زندگی کی خوبصورتی کو اس کی موجودگی تک محسوس کرتے ہیں۔ گویا اک امید ہے جس کا دامن تھامے چلے جا رہے ہیں۔ گویا زندگی کے ساتھ ان کا رویہ رجائیت پسندانہ ہے:

میں زندہ ہوں تو میرے زندگی تمہاری حیات
ورنہ یوں تو ہے کس کو دوام کس کو ثبات
نفس نفس، سر ظلمات، پر تو ظلمات (۱۴)

''موت کی محدودیت کے حوالے سے اس نے جب بھی زندگی کے مبینات کو محسوس کیا وہ زندگی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور جذبوں کی مافوق الادراکیت کے اسیر ہوتے چلے گئے۔موت کی موجودگی اور زندگی کی تیرہ شمی کے باوجود امجد کے ہاں زندگی ایک کرن، ایک روشنی اور ایک طلسم ہے اور وہ کبھی بھی زندگی سے اپنے رشتے کو کم زور نہیں کرتا۔''(۱۵)

مجید امجد کی نظموں میں آئندہ زندگی کی بجائے موجودہ زندگی کو اہمیت دی گئی ہے۔اگر چہ ان نظموں میں موت کے ساتھ کشاکش کے علامتی دائرے واضح ہیں۔ان کی نظموں میں زندگی اور موت کے لیے استعمال ہونے والے استعارات،تشبیہات،صنائع لفظی ومعنوی سبھی کچھ شامل ہے گویا مختلف ومتنوع عناصر کا باہمی ربط ہے، جن کے تسلسل میں کمی نہیں آتی۔ڈاکٹر ضیاالحسن لکھتے ہیں:

''مجید امجد ایسے شاعر ہیں جو وقت کی لامحدودیت کے سامنے انسان کی چند روزہ زندگی کی اختصاریت پر بے بسی کا احساس پیدا کرتے ہیں لیکن دراصل وہ اس کے ذریعے چندروز کی مہلت زندگی کی نایابی کا احساس پیدا کرتے ہیں اور اپنے قاری کو یہ نعمت ہر ہر پل استعمال کرنے کی تربیت کرتے ہیں۔''(۱۶)

گویا مجید امجد کی شاعری میں موت کے مختلف روپ ہیں اور ہر روپ ان دیکھا ،انجانا ہے۔کہیں زندگی محض اک سانس کی مہلت ہے،کہیں خودکشی کا ساماں لیے ہے،کہیں دائروی سفر میں فنا کا تسلسل لیے ہے،کہیں یہ ابد کے سمندر کی موج بن جاتی ہے جہاں زندگی محض لہر اور حباب کی مانند ابھر کر غائب ہو جاتی ہے۔کہیں یہ ''توسیع شہر'' میں درختوں کی موت ہے:

جن کی سانس کا ہر جھونکا ایک عجیب طلسم
قاتل تیشے چیر گئے ان ساونتوں کے جسم

''پکار'' میں لالی کے مر جانے کا احساس،متروکہ اجڑے مکانوں کی ویرانی میں سہمی سہمی زندگی، ''پچاسویں پت جھڑ'' میں ''دیکھے ایک برس اور بجھا'' کہیں ایکسی ڈنٹ اور مسلّح کے روپ میں،کہیں موت دھات کے لبادے میں چھپی،گویا موت کے سینکڑوں روپ ان کی نظموں میں موجود ہیں۔لیکن اسی موت کی لامحدودیت میں ایک ایسی مسرت انگیز ساعت ہے جہاں پہنچ کر انسان ایسے عالم میں چلا جاتا ہے، جسے بیان کرنا ممکن نہیں۔ڈاکٹر وزیر آغا نے موت کے تجربے سے طلوع ہونے والی تاباں اور درخشاں کیفیت کا تذکرہ کرتے ہوئے مجید امجد کی نظم ''جانے اصلی صورت'' کا حوالہ دیا ہے۔(۱۷)

ایک یہ دراڑ جو میرے پہیہ دماغ میں ہے کون اس کو پھلانگ سکے گا
ایک یہ دراڑ کہ جس کے اوپر ٹھٹک کر رہ جاتے ہیں سارے خیال اور سارے ارادے
جس کے ادھر مری ذلت ہے
جس کے ادھر میں بے بس قوت ہوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک یہ دراڑ کہ جس کے درے وہ مقدس آگ ہے جس کی لو میں کلیوں کی برکھا ہے
ایک یہ دراڑ جو میرے پہیہ دماغ میں ہے کب اس کو پاٹ سکوں گا
اپنی حدوں کی حد سے آگے کب یہ قدم اٹھے گا
آگے جہاں وہ سرشاری ہے جس کی کشید بھی اس میرے ہی ذہن میں ہوتی ہے

ڈاکٹر وزیر آغا اس نظم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''یہ ایک بے حد معنی خیز نظم ہے بظاہر یوں محسوس لگتا ہے جیسے مجید امجد نے اپنی اس نظم میں مقدس آگ (روشنی) کے روبرو آنے کا تجربہ کو پیش نہیں کیا بلکہ اس کی متوقع آمد کا اعلان کیا ہے لیکن دراصل یہ نظم اس بات کا ثبوت ہے کہ مجید امجد کو جھری یا دراڑ میں سے دیکھنے کا تجربہ ہوا ہے۔۔۔۔مجید امجد نے دراڑ میں سے ایک ایسے پراسرار جہاں کا نظارہ کیا ہے جس کا لمس ہی سرشاری ہے اور جہاں موت کا وہ پہلو ماند پڑ جاتا ہے جو زندگی کے انہدام سے متعلق ہے اور وہ پہلو شوخ تر ہو جاتا ہے جو زندگی کی برتر سطح کی نمود کا باعث ہے۔''(۱۸)

اپنے ماحول اور سماج سے وابستگی اور اس کے مسائل کو سمجھنے کی صلاحیت عام وخاص دونوں قسم کے انسانوں میں پائی جاتی ہے۔یہ الگ بات ہے کہ کسی میں اپنے ماحول اور اس سے وابستہ چیزوں کو سمجھنے کی صلاحیت کم اور کسی میں زیادہ ہوتی ہے۔اپنے عصر اور قوم سے وابستہ افراد جن میں اپنی قوم کے مسائل کو سمجھنے اور ان پر تنقیدی نظر ڈالنے کا احساس اور شعور پایا جاتا ہے وہ اپنا نکتہ نظر دوستوں ،محفلوں ،فکری مجالس اور سیاسی پلیٹ فارم پر پیش کرتے رہتے ہیں۔ہر شاعر اپنے عصر کا نمائندہ ہوتا ہے۔بعض شعرا کی شاعری کے اثرات ان کی زندگی اور عصر میں کم محسوس ہوتے ہیں لیکن اگر اظہار کی طاقتور رو سے مسلح اور مسائل کی ترجمانی کا فرض انجام دیتے ہوں تو ان کے شاعرانہ افکار اپنے عصر کے بعد بھی لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول رکھتے ہیں۔وجہ صرف یہ ہے کہ شاعر کے خیالات لوگوں کے ذاتی احساس کی ترجمانی کرتے ہیں۔

مجید امجد کی شاعری میں نہ صرف عصر کی ترجمانی ہے بلکہ اس میں سیاسی فکر بھی ہے۔وہ اپنے ماحول اور سماج سے کٹتے نہیں۔معاشرے میں موجود عدم مساوات، کشمکش، جبریت، زندگی کے مسائل ان کی شاعری میں موجود ہیں۔ان کی نظمیں کلبہ وایوان، ایک پرنشاط جلوس کے ساتھ، تیرے دیس میں، آج سوچتا ہوں، ۔۔۔دور نو، اگر معاشرتی عدم مساوات کا تصور ذہن میں لاتی ہیں تو یہی دنیا، گر اسی جہاں میں جینا ہے، نفیر عمل، سپاہی، ۸جنوری ۱۹۷۲ اور ۱۹۴۲ء کا جنگی پوسٹر ان کی عصری اور سیاسی فکر کو سامنے لاتی ہیں۔ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری لکھتے ہیں:

''مجید امجد کا عمرانی شعور انسان کے تہذیبی اور تمدنی ارتقا میں پیشروی کرنے والے آزادی پسند انسانوں کو خراج تحسین پیش کرنے سے بھی عیاں ہوا ہے۔اس طرح وہ مخصوص تاریخی تناظر کو پیش رکھتے ہوئے نئی نسل کے لیے پرانی نسل کی سخت کوشی اور قربانی کا اعتراف بھی کھلے دل سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے ہیں۔۔اس ضمن میں بالترتیب ان کی دو نظمیں ''پیش رو'' اور ''پھولوں کی پلٹن'' دیکھی جا سکتی ہے۔اگر چہ مجید امجد کا دل درآئینہ کی طرح پوری دنیائے انسانیت کے لیے باز رہتا ہے تاہم وہ خاص موقعوں پر مادرِوطن کی محبت کے اسیر ہوکر جغرافیائی سرحدوں کو بے پناہ تقدس مآب تصور کرنے لگتے ہیں۔ان کا جذبہ حب وطن خاص طور سے حالت جنگ میں ابھر کر سامنے آجاتا ہے۔''ریڈیو پر ایک قیدی''۔''اے قوم''،''۲۱دسمبر۱۹۷۱''اور''ہم تو سدا تمہاری پلکوں کے''اور اس طرح کی اور بھی کئی نظمیں اس امر کی گواہ ہیں۔۔الغرض مجید امجد کے موضوعات کا سماجی اور عمرانی زمرہ اپنے دامن میں بہت کچھ لیے ہوئے ہے۔(۱۹)

اسی حوالے سے ڈاکٹر کامران لکھتے ہیں:

''مجید امجد کا عمرانی شعور خاصا بالیدہ تھا،مگر وہ روایتی اشتراکیت پسندی سے پہلو بچا کر شاعری کو پروپیگنڈے کے پست مقام سے بچا کر اسے ہمدوش ثریا کرنے کی کوشش منہمک رہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری کسی انقلاب کا پرچار کرنے کی بجائے زندگی کی گہری حقیقتوں کی غماز دکھائی دیتی ہے۔ان کی نظم ''طلوع فرض'' جہاں زندگی کے جبر مسلسل کی دستاویز نظر آتی ہے وہاں ''پنواڑی''میں بھی غربت اور محرومیوں کے تسلسل کی نہ ختم ہونے داستان انسانی ضمیر کے سامنے سوالیہ نشان کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔۔مجید امجد کی نظمیں سماجی وعمرانی موضوعات اور فکرو فلسفے کے امتزاج سے زندگی کے دائرے کو اپنی گرفت میں لینے کی دلکش کوششیں ہیں۔''(۲۰)

مجید امجد سماجی رویوں کے ناقد ہیں جنہوں نے معاشرے کو اس طرح تقسیم کیا ہے کہ ایک انسان دوسرے کے دکھ کا مداوا نہیں۔طبقات میں بٹا ہوا سماج معاشرتی ،ملکی اور بین القوامی سطح پر سیاسی مفادات کا شکار ہوتا ہے اور اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں معاشرتی استحصال کا سبب بنتا ہے۔اس طرح ملکی سیاست، ٹھیکے دارانہ رویے ذاتی مفاد کے لیے عام انسان کا استحصال ان کے حساس ذہن کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتا۔ان کا قلم احتجاج کرتا ہے:

یہ محلوں یہ تختوں یہ تاجوں کی دنیا
گناہوں میں لتھڑے رواجوں کی دنیا
محبت کے دشمن سماجوں کی دنیا) شاعر(۲۱)
پڑا رہے گا یونہی کب تک اے خس پامال
بلند محلوں کے رفعت نوردزینوں میں
عطا ہوا ہے تجھے بھی یہ حق مشیت سے
خراج مانگ بہاروں کی بادشاہت سے(۲۲) (جہانِ قیصر وجم میں)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تم نے فصیلِ قصر کے رخنوں میں بھر تو لیں
ہم بے کسوں کی ہڈیاں لیکن یہ جان لو
اے وارثانِ طرہ طرف کلاہ کے
سیلِ زماں کے ایک تھپیڑ کی دیر ہے(۲۳) (درس ایام)

عالمی سیاسی نظر نامے پر دنیا دو بلاکوں میں ایک عرصہ تقسیم رہی۔یہ سلسلہ اب بھی ویسا ہی ہے۔اپنے مفادات و مقاصد کے حصول کے لیے طاقتور عالمی گماشتوں نے دنیا کو اپنی مرضی سے تقسیم کیا ہوا ہے۔ان کی زبان سے جو نکلے وہی قانون ہے۔اقوام متحدہ کا محض نام ہے ورنہ اس ادارے کی پاس کردہ قراردادوں کے نیچے کتنے ہی مجبور ممالک کے باشندے داد طلب ہیں لیکن کوئی شنوائی نہیں۔''مشرق و مغرب''اسی آویزش کی داستاں ہے:

مگر وہ اک زینہ مراتب
جو انگنت، بے زباں غلاموں
کی ٹوٹتی پسلیوں، پہ، کل بھی
ہزار کف در دہاں خداؤں
کے بوجھ سے کچکچا رہا تھا
اور آج بھی اک وہی ترازو
کہ جس میں زنجیر پوش روحوں
کے شعلہ اندام دست و بازو
بہ مزدِ یک اشک، تل رہے ہیں(۲۴) (نہ کوئی مشرق، نہ کوئی مغرب)

گویا مجید امجد کی شاعری کا سیاسی اسلوب ہماری دنیا کے سیاسی کوزہ گروں کی تمام چالوں کو واضح کرتا ہے جو اس دنیا کو اپنے ذاتی مفادات کے لیے جنگ وجدل کی جگہ بنا چکے ہیں۔برہنہ، ریڈیو پروگرام، ریڈیو پروگرام، بندا، اور گلی کا چراغ وغیرہ نہ صرف انسانی جذبات کی ترجمان ہیں بلکہ معاشرتی صورت حال ایک مناسب تبصرہ بھی ہیں۔

فطرت کے مظاہر سے یہ دنیا رنگین نظر آتی ہے۔شعرا نے ان مظاہر کی تصاویر کو تشبیہات اور استعارات سے مزین کر کے زندہ وجاوید بنا دیا ہے کہ جب یہ رنگین تصورات ہم پڑھتے ہیں تو فطرت کی حقیقی تصویر ہماری نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔یہ مظاہر جاذب نظر ہیں لیکن انسان اپنی گوناں گوں مصروفیات کی وجہ سے ان پر اچٹتی نگاہ ڈالے گذر جاتا ہے۔مجید امجد کی نظموں میں فطرت اپنی تمام خوبصورت اور تحیر کے ساتھ موجود ہے۔ان کی بے شمار نظمیں ان موضوعات کو لے کر آگے بڑھتی ہیں۔مثلاً گاڑی میں، بن کی چڑیا، امروز، ایک کوہستانی سفر کے دوران، بھکارن، دیکھ! اے دل، ریوڑ، پیش رو، ہڑپے کا کتبہ، سایوں کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سندلیس، توسیع شہر، سنگت، پلیٹ فارم، صاحب کا فارم، آہ یہ خوشگوار نظارے، گاؤں، بیساکھ، ریل کا سفر، توسیع شہر وغیرہ میں مناظر فطرت اپنے عروج پر ہیں۔ خواجہ ذکریا لکھتے ہیں:

''مجید امجد کی شاعری میں فطرت کی گوناگوں اور انسانی روابط کے گہرے مشاہدے کا احساس ہوتا ہے۔ وہ اندھیرے کی امیجری کو چھوڑ کر اجالوں کی دنیا میں میں لوٹ آتا ہے۔ صبح کا تارا، سورج کی سنہری کرنیں، کھیتوں میں چرواہے کی بانسری کی تان، مندروں کی گھنٹیاں اور بھجن، بیری وتلسی کی خوشبوئیں، ہواؤں کے جھونکے، گنجان جنگل، پہاڑیاں اور تیرائیاں، غرض انواع واقسام کے مظاہر فطرت کے سلسلے اس کے حواس کے روبرو بے نقاب ہونے لگتے ہیں۔ مجید امجد کی شاعری کا یہ حصہ حد درجہ دلکش جاذب نظر اور رنگا رنگ ہیں۔'' (۲۵)

مجید امجد کی نظموں میں فطرت اپنی تمام صفات کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ وہ جہاں فطرت کی خوبصورت تصاویر کو پیش کر کے اسے نیا آہنگ عطا کرتے ہیں وہیں اس کی پامالی پر افسردہ ہوتے ہیں۔ غالباً جدید تہذیب اپنی ترقی کے اظہار کے لیے ان تمام ذرائع کو ختم کرنا پسند کرتی ہے جہاں اسکی شان کے اظہار کو مدافعت کا سامنا ہے۔ فطرت کی عکاسی میں دور حاضر کے مکیں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ گویا انسان اور فطرت ہم رکاب ہیں۔ انسان، انسانی زندگی، اور مظاہر فطرت باہم مل کر ایسی فضا تخلیق کرتے ہیں جو مجید امجد کی شاعری کے سماجی ماحول کی پیش بندی کرتے ہیں۔ ان میں درخت، پرندے، گھروں کا ماحول اور اس سے وابستہ اشیا، قصباتی فضا اور اس کا ماحول سبھی لفظی پیکروں کی شکل اختیار کر کے ایسی تصویر بناتے ہیں جو ہماری آنکھوں کے سامنے نئے پیراہن کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ نظم " توسیع شہر " کے ان اشعار پر نظر ڈالیے اور فطرت سے ان کی محبت کا ایک انداز ملاحظہ کیجیے:

بچا کے رکھا ہے جس کو غریب جاں کے لیے
یہ ایک صبح تو ہے سیر بوستاں کے لیے
سحر کو نکلا ہوں، مینہ میں، اکیلا کس لیے
درخت، ابر، ہوا، بوئے ہمرہاں کے لیے

مجید امجد فطرت کو اس کے تمام حوالوں سمیت زندہ اور جاوید دیکھنا چاہتے ہیں۔ انسان اس فطرت کا حصہ ہے اور ظاہر ہے کہ جب وہ اپنی اغراض کی تکمیل کے لیے فطرت کے نظام میں خلل ڈالے گا تو اسے روحانی تکلیف بھی ہوگی۔ عتیق اللہ لکھتے ہیں:

''مجید امجد نے جن ہرے بھرے اشجار کو کھیتوں، کھلیانوں کا پہرے دار قرار دیا ہے وہ وسیع تر فطرت کے ہی نہیں، زمین پر بسر کرنے والے تمام اجسام نامیذی روح ہستیوں کے امین ہیں۔ جن کی موت کے ایک معنی Ecological Disaster ماحولیاتی تباہی کے ہیں اس معنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں مجید امجد Bio-Centric ہیں جن کے لیے Earth First کی زیادہ اہمیت ہے۔ مجید امجد کٹتے ہیکل، جھڑتے پنجر، چھٹتے برگ و بار، یا سیاہی دھوپ کے زرد کفن میں لاشوں کے انبار کہ کر یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ فطرت کے شعور سے ہمارا بے بہرہ ہونا خوبصورتی کے احساس اور اس کے تحفظ اور اسے برقرار رکھنے کے تصور ہی سے محروم ہو جاتا ہے۔(۲۶)

نظم "بہار" میں مختلف استعاروں سے فطرت کی عکاسی کی ہے۔ کھلتی ہوئی کلیاں انسانی آرزوؤں کا استعارہ ہیں۔ "صاحب کا فروٹ فارم" میں مجید امجد نے فطرت کے ایسے منظر کو کامیابی سے گرفت میں لیا ہے جسے ہم اپنی زندگی میں اکثر دیکھتے ہیں لیکن بے توجہی کی بنا پر نظر انداز کر دیتے ہیں (۲۷)۔ مجید امجد کی نظموں میں دیہی پس منظر اور اس کے ساتھ ساتھ فطرت کی جولانیاں اپنے عروج پر نظر آتی ہیں۔ وہ ہمیں ان تمام چیزوں کا نظارہ کرنے کی دعوت دیتا ہے جو ہمارے ادراک و وجدان کی دنیا سے ماورا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

> ''مجید امجد کی نظموں میں جو لینڈ سکیپ ہمارے سامنے آتا ہے وہ استاد اللہ بخش کی پینٹ کی ہوئی تصویر کی طرح دیہاتی وضع کا ہے۔ اس میں روشنیوں اور سایوں کا خوشگوار امتزاج موجود ہے لیکن تاریکی روشنی غالب نہیں آتی اور تابناک اجالا آنکھوں کو اندھا نہیں کرتا۔ ندی میں پانی مسلسل بہ رہا ہے لیکن یہ کناروں کو نہیں کاٹتا اور اس کی روانی سماعت پر بار نہیں بنتی۔ یہ باغوں، مرغزاروں اور سبزہ زاروں کا لینڈ اسکیپ ہے جس کے درختوں کی شاخیں پھولوں سے لدی ہوئی ہیں اور پھولوں پر رس گھولتی کرنیں پڑتی ہیں تو پھول رس دار اثمار کا روپ دھار لیتے ہیں اور آپ کو اپنے پیالے میں مد اور مدرا بھرنے کی دعوت دینے لگتے ہیں۔ یہ سب تصویریں ہماری دنیا کی ہیں اور مجید امجد نے ایک لمحے کے لیے ہمیں ان کی طرف متوجہ ہونے کی دعوت دی ہے۔(۲۸)

مجید امجد کی خصوصیت یہ کہ انہوں فطرت کی آواز عالم استغراق میں سنی ہے۔ جس طرح چینی شہزادہ جنگل میں جا کر فطرت کی ان آوازوں کو سننے کی سعی کرتا ہے جو ان سنی ہیں۔ امجد کی نظموں میں فطرت کی تعریف اور فطرت کی تباہی کا نوحہ ہے۔ ''بن کی چڑیا'' میں حقیقی فطرت ہمارے سامنے ہے جسے انسان نے چھوا نہیں۔ گویا فطرت کے مناظر مجید امجد بنائی ہوئی وہ لفظی تصویریں ہیں جو آب و گل کے پیکروں سے کسی طرح کم نہیں۔ فطرت کی عکاسی کرتے ہوئے وہ کسی ماہر مصور کی طرح ہر زاویے سے اس کی تصویر کشی کرتے ہیں کہ تصویر ذہن پر نقش ہو جاتی ہے۔ مجید امجد کے دماغ میں گویا حساس ترین کیمرہ نصب ہے جو بال کی کھال اتار کر بھی دکھا دیتا ہے۔(۲۹)

شاعری میں تصورِ غم ایک صاحب بصیرت شاعر کا زندگی کی تلخیوں پر ردعمل، محرومیوں کی محرومیوں کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیکھ کر پیدا ہونے والا احساس، جب زیست کے پیمانے میں کڑواہٹ کا احساس زیادہ ہو جاتا ہے تو اس کی نارسائیوں پر شاعر کا دل کڑھتا ہے اور اس ناہمواری پر ردعمل کا اظہار کرتا ہے۔ یہ غم انفرادی اور اجتماعی دونوں شکلوں میں موجود ہوتا ہے۔ اردو کی شعری روایت میں فلسفہ غم کا تصور لامحدود ہے۔ میر، غالب، اقبال، فانی اور ناصر نے غم کے مختلف پہلوؤں کی ترجمانی کی ہے۔ امجد کی شاعری میں درد و غم کا تصور شدت اور گہرائی کے ساتھ موجود ہے۔ اس غم کی مختلف کیفیات ہیں اور یہ کیفیات کئی رنگوں میں ان کی شاعری میں موجزن ہیں۔ کہیں اس ذاتی غم کا تاثر اجتماعی غم میں بدل جاتا ہے گویا ذاتی مشاہدہ اور تجربہ اجتماعی تجربے کا رخ اختیار کر جاتا ہے۔ ایک انسان کا تجربہ تمام انسانوں کے تجربے میں ڈھل جاتا ہے:

میں جب سوچتا ہوں کہ انسان کا انجام
ہے مٹی کے اک گھر کی آغوش آرام
تو سینے میں اٹھتا ہے اک درد بے نام
میں جب دیکھتا ہوں کہ یہ بزم فانی
غم جاودانی کی ہے اک کہانی
تو چیخ اٹھتی ہے میری باغی جوانی (۳۰)

''بیسویں صدی کے وسط میں ابھرنے والے جدید نظم گو شعرا میں مجید امجد ایک ایسے شاعر ہیں جن کے ہاں غم نہ صرف ایک باقاعدہ فکری موضوع کی صورت میں ظاہر ہوا ہے بلکہ ان کے پورے کلام میں غم اور حزن کی کسک زیریں لہر کی طرح موجزن دکھائی دیتی ہے۔ کلام مجید امجد کے مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ غم کائنات وحیات انسان کی ایک بنیادی حقیقت ہے اور اس کے دو رخ ہیں ایک غم زماں اور دوسرا غم زمیں۔ غم زماں دراصل وہ ابدی غم ہے جو ازل سے زماں (Time) کے جبر کی صورت میں ہر ذی روح پر مسلط ہے مگر ہر ذی روح اس غم کا احساس و ادراک غم زمیں کی وساطت سے کرتا ہے جس کا سامنا اسے ذاتی تجربات و مشاہدات کی صورتوں میں ہوتا ہے۔ (۳۱)

غم زماں کا احساس ذاتی تجربات و مشاہدات سے ہوتا ہے۔ بظاہر یہ دکھ اتنے بڑے محسوس نہیں ہوتے کیونکہ ان کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہوتا ہے جسے وہ خود محسوس کرتا ہے۔ یہ غم اجتماعی شکل میں اس کرب کا رخ اختیار کرتا ہے جو انسانی بے بسی کا فسانہ پوری شدت سے سناتا ہے۔ امجد کی ذاتی زندگی بھی اسی دکھ سے عبارت تھی۔ بحیثیت ایک حساس شاعر وہ انسانی شخصیت کو کچلنے والے رسم و رواج کے خلاف مضطرب اور بے چین نظر آتے ہیں۔ ان کی نظمیں دنیا، سہیلی کا خط، ملاقات، خودکشی، کنواں، طلوع فرض اور پنواڑی انسانی بے بسی کی وہ تصویریں ہیں جن سے ہمارے دل میں حیات کی تلخیوں کا احساس جاگزیں ہوتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔گردش دوراں میں جب انسان تنہائی کا شکار اور معاشرے سے الگ ہوتا ہے تو یہ اذیت اور بڑھ جاتی ہے۔گردوپیش کا کرب انگیز ماحول جو وقت کے ساتھ رواں دواں ہے، اپنے تاریخی تسلسل کو دکھوں کے جلو میں لیے آگے بڑھتا ہے۔مجید امجد نے اسی کرب کی مختلف شکلیں انسانی اور فطری کرداروں کو سامنے رکھ کر تخلیق کی ہیں۔ایک انسان کی روح کا روگ بہت سے انسانوں کی کہانی بن جاتا ہے اور ایک ایسی ان کہی داستان سناتا ہے جس کڑواہٹ ہر ذی روح اپنی رگوں میں محسوس کرتا ہے۔

کس طرح مانوں کہ یہ سب سچ ہے سچ
مجھ سے جو کہتے ہیں اس دنیا کے لوگ
چھو سکا ہے ان کے سینوں کو کبھی
میرے دل کا درد، میرے من کا روگ(۳۲)

مجید امجد کے غم کا تعلق ان کی اپنی ذات سے تو ہے ہی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ عصری حسیت کا بھی شکار ہے جہاں زندگی قدم قدم پر انسانی بے چارگی کا امتحان لے رہی ہے۔اس غم اور دردمندی کے نشانات ان کی مختلف نظموں میں واضح محسوس ہوتے ہیں۔بن کی چڑیا کی تنہائی، آٹوگراف میں اپنی ذات کی اجنبیت، توسیع شہر میں درختوں کا ماتم، لالی، موانست، متروکہ مکان، ہڑپے کا کتبہ وغیرہ میں ہمیں یہ مثالیں واضح ہیں۔ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

''مجید امجد کے کلام میں دردمندی کی روکئی سطحوں پر نظر آتی ہے۔ایک تو بالائی سطح ہے جہاں شاعر نے زندگی کے عام واقعات، سانحات، افراد اور طبقات کے دکھ کو محسوس کیا ہے، اسے مکانی سطح کہہ سکتے ہیں۔دوسری سطح زمانی ہے جہاں مجید امجد نے انسانی دکھ کو اس کے تاریخی تسلسل کے حوالے سے دیکھا ہے۔تیسری سطح وہ ہے جہاں مجید امجد نے دکھ کی ہمیشگی کو محسوس کیا ہے اور پھر اس کیفیت کا ذکر کیا ہے جو اس دکھ کے لیے گویا مرہم کا درجہ رکھتی ہے یعنی دھوپ! مگر ان سب سے ہٹ کر مجید امجد کی دردمندی کا ایک اور زاویہ بھی ہے جو اس کی زندگی کے آخری چند سالوں میں ابھرا اور جس نے اس کی شاعری کو ایک انوکھی گہرائی اور سندرتا سے مالا مال کر دیا۔(۳۳)

مجید امجد کے ہاں حیرت کا اظہار بہت نمایاں ہے۔شاید اسی لیے انہیں حیرت کا شاعر کہا جاتا ہے۔انسانی فطرت اپنے گردوپیش کے رنگین نظاروں کی تابانی دیکھ کر متحیر ہو جاتی ہے۔مظاہر کائنات کی گوناں گوں خوبیاں، رونقیں، اور کائنات میں موجود مختلف اجسام کی چہل پہل انسانی عقل سے ماورا ہونے کی بنا پر اس کے لیے باعث حیرت وکشش ہے۔مظاہر فطرت کی تابانی اور ان جلوؤں کا اثر براہ راست انسانی ادراک و وجدان پر ہوتا ہے اور وہ لوگ جو فطرت کی ان خوبیوں اور رنگینیوں میں جذب ہوتے ہیں وہ اس کی ماورایت کے سحر میں خود کو فراموش کر دیتے ہیں۔مجید امجد اسی حیرت کا تذکرہ کرتے ہیں جو انسان کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جستجوئے عمل پر مجبور کرتی ہے اور جس کے نتیجے میں ستاروں پر کمندیں ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ شاعر اپنے تخلیقی وجدان کی قوت سے اس ماورایت کو سمجھنے اور حل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چناں چہ جب امجد اس حیرت کا اظہار کرتے ہیں تو اس کا مقصد فطرت کے سربستہ رازوں کی عقدہ کشائی ہوتا ہے۔ جب وہ کہتے ہیں:

عمر اس الجھن میں گذری
کیا شے ہے یہ حرف و بیاں کا
عقدہ مشکل
صوت معنی؟ معنی صورت؟
اکثر گرد سخن سے نہ ابھرے
وادی فکر کی لیلاؤں کے
جھومتے محل
طے نہ ہوا ویرانہ حیرت!
حروف کے یہ سفینے آج وقت کی لہروں کے حوالے کرنے آیا ہوں۔ (۳۴)

ان حروف میں حیرت کا جہاں آباد ہے اور وہ عجز و انکسار بھی جہاں حیرتوں کا جہاں آباد ہے۔ سوال کرنے اور اسے ڈھونڈنے کا خیال کئی نظموں میں موجود ہے۔ زندگی کے پل لمحاتی کیوں ہیں۔ یہ ان دیکھی، ان سنی داستاں انسانی وجود کو تہ بالا کر دیتی ہے کہ کائنات میں اس کا مصرف کیا ہے۔ "ویرانہ حیرت" کو طے کرنے کی جستجو انہیں فضائے بسیط اڑائے پھرتی ہے لیکن یہ مرحلہ طے نہیں ہوتا۔ ان کی نظم راہگیر، دستک، آٹوگراف، پنواڑی اور ہڑپے کا کتبہ وغیرہ اسی حیرت کا ماحصل ہیں۔

مجید امجد کی نظموں کی خاص بات وہ لفظی خاکے اور تصویریں ہیں جوان کے دلی جذبات کا اظہار ہیں لیکن یہ اظہار ایک وسیع کینوس کا روپ اختیار کر لیتا ہے جب کہ انہیں اپنی ہستی معمولی نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر انور سدید کے بقول:

''مجید امجد معمولی سے مشاہدے کو غیر معمولی بنانے اور بجھی ہوئی چنگاریوں سے روشنی لینے والے عہد آفریں شاعر تھے۔'' (۳۵)

نظم ''آٹوگراف'' میں کھلاڑیوں کی پزیرائی اور اپنی نظر انداز ہونے کی کیفیت میں وہ حسرت آمیز دکھ ہے جس کی کسک رہ رہ کر دل کو محسوس ہوتی ہے۔ یہ احساس ہر اس شخص کا ہو سکتا ہے جب وہ محض کھیل کی بنا پر شہرت پانے شخص کو اپنے مداحین خصوصاً لڑکیوں کے حلقے میں دیکھتا ہے۔

کھلاڑیوں کے خودنوشت دستخط کے واسطے
کتابچے لیے ہوئے
کھڑی ہیں منتظر حسین لڑکیاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈھلکتے آنچلوں سے بے خبر حسین لڑکیاں
کھڑی ہیں یہ بھی راستے پہ اک طرف
بیاض آرزو بکف
نظر نظر میں نارسا پرستشوں کی داستاں
لرز رہا ہے دم بدم
کمان ابرواں کا خم

اور پھر خود بے کسی اور بے بسی کی تصویر بن کر اپنے بارے یوں اعلان کرتا ہے:

میں اجنبی میں بے نشاں
میں پابہ گل
نہ رفعت مقام ہے نہ شہرت دوام ہے
یہ لوح دل یہ لوح دل
نہ اس پہ کوئی نقش ہے نہ اس پہ کوئی نام ہے(۳۶)

نظم ''پنواڑی'' میں بوڑھے پنواڑی کا خاکہ اپنی مثال آپ ہے۔جہاں زندگی محض چند سانسوں کا میلہ ہے وہاں بالوں کی مانگ کا خیال کس قدر اچھوتا ہے۔ہمیں اس خاکے میں دکھ اور سکھ کا حسین امتزاج نظر آتا ہے جو ماضی، حال اور مستقبل کی داستاں ہے۔

بوڑھا پنواڑی اس کے بالوں میں مانگ ہے نیاری
آنکھوں میں بجھتی اگنی کی چنگاری(۳۷)

مجید امجد کی نظم ''منٹو'' ایک خوبصورت شعری خاکہ ہے۔لفظی اشارات کی مدد سے جو تصویر بنتی ہے، اس میں ''کون ہے، کون ہے'' کی تکرار اس پیکر کو مکمل کرتی ہے:

''جو لے آیا ہے، یوں بن پوچھے، اپنے آپ،
عینک کے برفیلے شیشوں سے چھنتی نظروں کی چاپ؟
کون ہے یہ گستاخ؟
تاخ، تڑاخ''(۳۸)

مجید امجد کی نظم ''منٹو'' کے متعلق اسرار زیدی لکھتے ہیں:

''مجید امجد کی یہ نظم جو اپنے منظر کے ساتھ ان سطور میں طبع ہے اسے بلاشک وشبہ سعادت حسن منٹو کے ایک خوبصورت اور مکمل شعری خاکے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جس کی مثال پوری اردو شاعری میں ملنا مشکل ہوگی۔یوں کسی فرد کا ایسا نثری خاکہ لکھنا ہی مشکل رہا ہے جس میں اس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شخصیت اور کردار پوری طرح ابھر کر قاری کے سامنے آجائیں پھر نظم میں اس کا اظہار ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔لیکن امجد نے اس شاعری خاکے میں جس صناعی سے کام لیا ہے اس سے اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ اپنی صلاحیتوں اور فکری عمق کے سبب نظم میں کردار کشی کا فن اس کے ہاں اس عبارت کو حاصل ہے جو کسی دوسرے شاعر کے ہاں نظر نہیں آئی۔صرف " منٹو" ہی نہیں بلکہ ''شب رفتہ'' کی درجنوں نظموں میں کردار کشی کا عمل پوری آب وتاب سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔اس سلسلے میں'' آٹوگراف، نژادنو، پنواڑی، چولہا، برہنہ، جاروب کش کے علاوہ مجید امجد کی دوسری متعدد نظمیں قابل ذکر ہیں۔پھر اس کا یہ عمل محض انسان تک ہی محدود نہیں بلکہ درخت، پودے، پھول، اور دوسری اشیا کے بارے میں بھی اس نے اپنے مخصوص طرز اظہار سے کام لیا ہے۔''(۳۹)

الغرض مجید امجد کی شاعری میں موضوعات کی وسعت، اسالیب کا منفرد استعمال اور غیر معمولی مشاہدہ شامل ہے۔ان کی تراکیب میں بھی تنوع ہے۔الفاظ اشاروں کا روپ دھارتے محسوس ہوتے ہیں اور مجید امجد فنی چابک دستی سے الفاظ کو وسیع تر مفہوم دیتے چلے جاتے ہیں۔

''جس طرح مجید امجد کے موضوعات متنوع ہیں، اسی طرح انہوں نے اپنی نظموں کے لیے ہیئتی تنوع بھی اختیار کیا ہے۔اور یوں انہوں نے عملی طور پر ہیئت کی تلاش کے اس شعور کو آگے بڑھایا ہے جو جدید اردو شاعری میں میراجی اور راشد کی دین تھا۔''(۴۰)

☆☆☆☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات وحواشی:

۱۔ تاج سعید۔دیباچہ شب رفتہ۔لوح دل ص ۲۷، ۲۸

۲۔ ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری۔ مجید امجد اور ہم عصر نظم گو شعرا۔مشمولہ یہ دنیائے امروز میری ہے۔مرتبین، ڈاکٹر محمد کامران، ڈاکٹر ضیاالحسن، ڈاکٹر ناصر عباس نیر۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی پریس۔۲۰۱۶،ص ۳۴۸

۳۔ ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری۔ مجید امجد ایک کثیر الجہات شاعر۔مشمولہ مجید امجد نئے تناظر میں۔مرتبہ، احتشام علی۔لاہور: بیکن بکس غزنی سٹریٹ۔۲۰۱۴ء، ص ۱۴۷

۴۔ ڈاکٹر خواجہ محمد ذکریا۔ مجید امجد۔شاعر حیات وکائنات۔مشمولہ یہ دنیائے امروز میری ہے۔مرتبین، ڈاکٹر محمد کامران، ڈاکٹر ضیاالحسن، ڈاکٹر ناصر عباس نیر۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی پریس۔۲۰۱۵ء، ص ۳۴۸

۵۔ ڈاکٹر اورنگ زیب نیازی۔ مجید امجد کی نظم " کنواں:" رد تشکیلی مطالعہ۔ایضاً، ص ۲۵۱

۶۔ عقیل احمد صدیقی۔جدید اردو نظم، نظریہ عمل۔لاہور: بیکن بکس، اردو بازار۔۱۹۹۰ء، ص ۳۱۸

۷۔ ڈاکٹر اورنگ زیب نیازی۔ مجید امجد کی نظم " کنواں:" رد تشکیلی مطالعہ۔مشمولہ یہ دنیائے امروز میری ہے۔مرتبین، ڈاکٹر محمد کامران، ڈاکٹر ضیاالحسن، ڈاکٹر ناصر عباس نیر۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی پریس۔۲۰۱۵ء، ص ۲۵۴

۸۔ ڈاکٹر ضیاالحسن۔مجید امجد کی نظم ''امروز'' ایضاً، ص ۲۶۰

۹۔ ڈاکٹر ضیاالحسن۔مجید امجد کی نظم ''مروز''۔ ایضاً، ص ۲۶۲

۱۰۔ ڈاکٹر زاہد منیر عامر۔مجید امجد کی نظموں میں تصورات زمان کا تدریجی ارتقا۔مشمولہ ایضاً، ص ۱۳۱

۱۱۔ ڈاکٹر عنبرین منیر۔مجید امجد کی نظم میں نفسیاتی شعور۔مشمولہ ایضاً، ص ۲۲۲

۱۲۔ مجید امجد۔کلیات مجید امجد۔مرتبہ ڈاکٹر خواجہ محمد ذکریا۔لاہور: ماورا پبلشرز۔۱۹۸۹، ص ۱۱۶

۱۳۔ پروفیسر امجد علی شاکر۔اردو ادب تاریخ وتنقید۔لاہور: عزیز بک ڈپو۔۱۹۹۷ء، ص ۶۷۲

۱۴۔ مجید امجد۔کلیات مجید امجد،) مرتبہ (خواجہ محمد ذکریا۔لاہور: الحمد پبلی کیشنز۔۲۰۱۰ء، ص ۲۸۶

۱۵۔ ڈاکٹر وفا یزدان منش/سمیرا گیلانی۔ مجید امجد اور سہراب سپہری کی شاعری میں موت۔مشمولہ یہ دنیائے امروز میری ہے۔مرتبین، ڈاکٹر محمد کامران، ڈاکٹر ضیاالحسن، ڈاکٹر ناصر عباس نیر۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی پریس۔۲۰۱۵ء، ص ۳۵۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۶۔ ڈاکٹر ضیاالحسن۔ مجید امجد کی نظم ''مروز''۔ ایضاً،ص۲۶۲

۱۷۔ ڈاکٹر وزیر آغا۔ موت کی دستک۔ مشمولہ مجید امجد نئے تناظر میں،) مرتبہ (احتشام حسین۔ لاہور: بیکن بکس، غزنی سٹریٹ، ۲۰۱۴ء، ص ۱۹۷

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۹۷

۱۹۔ ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری۔ مجید امجد: کثیر الجہات شاعر، مشمولہ یہ دنیائے امروز میری ہے۔ مرتبین، ڈاکٹر محمد کامران، ڈاکٹر ضیاالحسن، ڈاکٹر ناصر عباس نیر۔ لاہور: پنجاب یونیورسٹی پریس۔ ۲۰۱۵ء، ص ۱۵۱

۲۰۔ ڈاکٹر محمد کامران۔ مجید امجد: یہ دنیائے امروز میری ہے۔ مشمولہ ایضاً، ص ۱۰

۲۱۔ مجید امجد۔ کلیات مجید امجد (مرتبہ)، ڈاکٹر خواجہ محمد ذکریا۔ لاہور: الحمد پبلی کیشنز، (مجید امجد صدی ایڈیشن) ۲۰۱۴ء ص ۴۳

۲۲۔ ایضاً، ص ۱۱۱

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۲۸

۲۴۔ مجید امجد۔ کلیات مجید امجد (مرتبہ) ڈاکٹر خواجہ محمد ذکریا، لاہور: ماورا پبلشرز، طبع دوم، ۱۹۹۱ء، ص ۲۱۱، ۲۱۲

۲۵۔ خواجہ محمد ذکریا، ڈاکٹر۔ مجید امجد کی شاعری، مشمولہ، ماہنامہ تخلیق۔ لاہور، جولائی ۱۹۷۷ء، ص ۶

۲۶۔ ڈاکٹر آصف علی چٹھہ۔ مجید امجد کی نظمیں تجزیاتی مطالعات۔ لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی۔ ۲۰۱۴ء، ص ۱۷۱

۲۷۔ ایضاً، ص ۱۹۲

۲۸۔ ڈاکٹر انور سدید۔ مجید امجد: ایک الگ دنیا کا باسی۔ مشمولہ مجید امجد نئے تناظر میں، (مرتبہ) احتشام حسین۔ لاہور: بیکن بکس، غزنی سٹریٹ، ۲۰۱۴، ص ۱۹۷

۲۹۔ نثار ترابی۔ مجید امجد۔ ایک مصور۔ مشمولہ یہ دنیائے امروز میری ہے۔ مرتبین، ڈاکٹر محمد کامران، ڈاکٹر ضیاالحسن، ڈاکٹر ناصر عباس نیر۔ لاہور: پنجاب یونیورسٹی پریس۔ ۲۰۱۵ء ص ۲۸۶

۳۰۔ مجید امجد۔ کلیات مجید امجد) مرتبہ (خواجہ محمد ذکریا۔ لاہور: ماورا پبلشرز۔ ۱۹۸۸، ص ۴۷

۳۱۔ ڈاکٹر ریاض قدیر۔ مجید امجد۔۔ راز دانِ غم زمان وزمیں۔ مشمولہ مجید امجد۔ یہ دنیائے امروز میری ہے۔ مرتبین، ڈاکٹر محمد کامران، ڈاکٹر ضیاالحسن، ڈاکٹر ناصر عباس نیر۔ لاہور: پنجاب یونیورسٹی، پریس۔ ۲۰۱۵ء، ص ۱۰۹

۳۲۔ مجید امجد۔ کلیات مجید امجد، مرتبہ خواجہ محمد ذکریا، ماورا پبلشرز لاہور ۱۹۸۸، ص ۱۰۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۳۔ وزیر آغا۔مجید امجد۔ایک درد مند دل۔مشمولہ مجید امجد نئے تناظر میں،)مرتبہ (احتشام حسین۔لاہور:بیکن بکس،غزنی سٹریٹ،۲۰۱۴ء،ص ۴۵

۳۴۔ امجد۔کلیات مجید امجد،)مرتبہ ڈاکٹر خواجہ محمد ذکریا(لاہور:الحمد پبلی کیشنز،)صدی ایڈیشن)۲۰۱۴ء۔ ص ۶۷۸

۳۵۔ انور سدید ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر تاریخ،طبع سوم۔لاہور: عزیز بک ڈپو۔۱۹۸۸ء،ص ۴۷۵، ۴۷۶

۳۶۔ ڈاکٹر آصف علی چٹھہ۔مجید امجد کی نظمیں (تجزیاتی مطالعات)۔ لاہور:مغربی پاکستان اردو اکیڈمی۔۲۰۱۴،ص ۱۰۱

۳۷۔ ایضاً،ص ۴۵

۳۸۔ ایضاً،ص ۸۳

۳۹۔ ایضاً،ص ۸۴،۸۵

۴۰۔ ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری۔مجید امجد اور دوسرے نظم گو شعرا،مشمولہ مجید امجد۔ یہ دنیائے امروز میری ہے۔ مرتبین،ڈاکٹر محمد کامران، ڈاکٹر ضیا الحسن، ڈاکٹر ناصر عباس نیر۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی، پریس۔ ۲۰۱۵ء، ص ۳۵۲

© rasailojaraid.com